3 دسمبر خصوصی افراد سے محبتیں بانٹنے کی یاد دہانی کا دن

تحریر:- سید اظہر فرید

یہ زیادہ دور کی بات نہیں جب ذہنی بیماری میں مبتلا شخص کو ملنگ، نفسیاتی مسائل کے شکار کو آسیب زدہ اور جسمانی معذور کو کبڑا عاشق یا قصہ ہیر رانجھا کے معروف کردار کیدو سے تشبیہہ دیکر ٹھٹا لگایا جاتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ بڑے بوڑھے کانوں کو ہاتھ لگاتے، اللہ توبہ کرتے گزر جاتے اور یوں معذور کو از خود ایک مجبور تصور کر لیا جاتا۔ مخیر حضرات اس طرح کے افراد سے خیرات تقسیم کر کے اپنے گناہ بخشوانے میں کوشاں رہتے۔ پھر علم کا نور پھیلا، سائنس کی ترقی نے بہت سے فرسودہ نظریات کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ رفتہ رفتہ انسانی شعور کو جلا ملی تو معاشرے

معذوروں کیلئے سرکاری ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم کی ابتداء پاکستان سے ہوئی

کے ایک طبقے کو احساس ہوا کہ معذوری مجبوری نہیں ہے، ان کو بھی تعلیم اور علاج کے ذریعے معاشرے کا فعال رکن بنایا جا سکتا ہے۔

3 دسمبر کو دنیا بھر میں معذوروں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ہر برس یہ دن کسی نہ کسی معذوری کے شکار افراد سے محبت بانٹنے اور ان کے دکھ درد سمیٹنے کی یاد دہانی کے لئے آتا ہے۔ یہ دن ہمیں انسان کے اس شعور کی یاد دلاتا ہے جب معاشرے کو احساس ہوا تھا کہ معذور بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں اور ان کو ساتھ لے کر چلنا سوسائٹی کی ذمہ داری ہے۔ 3 دسمبر ہمیں ہر معذور کی پیشانی پر لکھی اس تحریر کی یاد دلاتا ہے جس میں ایک معصوم سے خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ "آپ میری طرف دیکھ کر مسکرایئے اور ہیلو کہیے میرے لئے بس اتنا کافی ہے"۔

وطن عزیز میں معذوری کے شکار افراد کا جائزہ لیا جائے تو معاشرے کے دیگر طبقات کی طرح ان لوگوں کی حالت زار کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ ہمارے ہاں آج بھی ایک بڑا طبقہ ان لوگوں میں خیرات بانٹ کر مطمئن ہو جاتا ہے اور معذوروں کو فقیر بنانے کی مہم جاری و ساری ہے۔ پاکستان میں اس وقت 6 فیصد لوگ کسی نہ کسی معذوری کا شکار ہیں جن میں 2.5 فیصد جسمانی معذور، 1.5 فیصد ذہنی و دماغی امراض کا شکار، ایک فیصد نابینا اور ایک فیصد گونگے بہرے لوگ شامل ہیں۔

جسمانی معذوری کے شکار افراد میں اکثریت پولیو اور سی پی کے متاثرہ افراد کی ہے جبکہ ذہنی اور دماغی امراض میں شیزوفرینیا کے مریضوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لاہور میں ذہنی امراض کے ہسپتال میں ایک برس کے دوران میں شیزوفرینیا کے مریض 56 فیصد، ایفکٹ ڈس آرڈر کے 29.10 فیصد منشیات کے عادی 9.77 فیصد مرگی کے 1.94 فیصد این وائی ڈی 1.94 فیصد اور ڈی مینشیا کے مریضوں کی اوسطاً تعداد 1.21 فیصد رہی۔

پاکستان میں پولیو سے معذوری کی شرح سب سے زیادہ ہے لہٰذا حکومت نے پولیو کے خلاف مہم کو خاصے زور شور سے چلایا اور اس حفاظتی مہم کے خاطر خواہ اثرات بھی برآمد ہوئے لیکن اس جوش و خروش میں ان لوگوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا جو اس موذی مرض کا پہلے ہی شکار ہو چکے ہیں۔ حکومت کی جانب سے بھی ان افراد کو فقیر بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا اندازہ جسمانی معذوری کے شکار افراد کے لئے قائم اداروں اور ان کی حالت زار سے لگایا جا سکتا ہے۔ 1981 میں محکمہ معاشرتی بہبود میں پروفیشنل کونسل آف ری ہیبلیٹیشن آف ڈس ایبل (پی سی آر ڈی) کے نام سے ایک یونٹ کھولا گیا جس کا مقصد معذور افراد کی رجسٹریشن کر کے ان کو ممکنہ سہولتیں فراہم کرنا تھا۔ اسی دور میں معذور افراد کے لئے سرکاری ملازمتوں میں ایک فیصد کوٹہ مقرر کیا گیا جسے بڑھا کہ اب 2 فیصد کر دیا گیا ہے جو اس اعتبار سے اب بھی باعث حیرت ہے کہ جس ملک میں معذوروں کی شرح 6 فیصد ہو اور ان میں سے 1.5 فیصد ذہنی مریض نکال بھی دیئے جائیں تو باقی 4.5 فیصد لوگوں کے لئے کوٹہ مقرر ہونا چاہئے تھا لیکن حکومت ابھی تک 2 فیصد کوٹہ پر بھی مکمل طور پر عملدرآمد نہیں کرا سکی۔ سرکاری اداروں میں تو کسی حد تک سہولت میسر ہے لیکن نجی اداروں کی اکثریت اس پر عمل درآمد نہیں کر رہی ہے۔ نجی اداروں کے لئے حکومت نے سہولت فراہم کی تھی کہ اگر ان کے ادارے میں کوئی معذور شخص کام نہیں کر رہا تو وہ اس کے بدلے میں ایک کارکن کی تنخواہ حکومت کو جمع کرائیں گے۔ نجی اداروں نے اس سہولت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے وطیرہ بنا لیا اور اکثریت ایک چپڑاسی کی تنخواہ حکومتی خزانے میں جمع کرا کے اپنا فرض پورا کر لیتی ہے۔

ڈاکٹر خالد جمیل "پاکستان" سے گفتگو کر رہے ہیں

بگ برادر ڈاکٹر خالد جمیل

بہر حال تذکرہ پی سی آر ڈی کا ہو رہا تھا اس یونٹ کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے اپنے قیام سے لیکر 1997ء تک صرف تین گرانٹس ملیں آخری گرانٹ 14 لاکھ روپے کی تھی اس گرانٹ کو پنجاب کے 34 اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس گرانٹ کے ذریعے معذوروں کو کاروبار کے لئے 5 سے 10 ہزار روپیہ اور وہیل چیئر وغیرہ دی جاتی ہے۔ اب خود ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس قدر مختصر رقم سے 34 اضلاع کے معذوروں کو کیا ملا ہو گا؟

جسمانی معذوری کے شکار افراد کو سب سے بڑا مسئلہ سفری سہولت کی عدم دستیابی کا ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق (مرحوم) کے دور میں خصوصی کار درآمد کرنے کی اجازت دی گئی تھی جس پر ڈیوٹی معاف تھی لیکن اس کار پر ڈیوٹی معاف ہونے کے باوجود دیگر ٹیکس اتنے زیادہ ہیں کہ اس کی قیمت 5 سے 8 لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ اب اس سہولت سے ہمارے ملک کے کتنے فیصد لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کا اندازہ بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ تمام تجارتی مراکز اور حکومتی دفاتر کا نقشہ پاس ہونے کے بعد عمارتوں کی تعمیر شروع کرائی جاتی ہے لیکن کبھی کسی عمارت میں معذوروں

پاکستان میں 6 فیصد لوگ کسی نہ کسی معذوری کا شکار ہیں

کے لئے علیحدہ سے کوئی سہولت نہیں رکھی جاتی۔ بجلی کے بل جمع کرانے ہوں یا گیس پانی کے، ڈاک خانے جانا ہو یا ریلوے سے ٹکٹ لینا ہو۔ معذوروں کو کوئی سہولت نہیں ہے۔ انہیں روایتی دھکم پیل کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

وطن عزیز میں جو ادارے جسمانی معذوروں کی بحالی کے لئے سرگرداں ہیں ان میں ادارہ بحالی معذوراں فیروزپور روڈ لاہور، محکمہ سماجی بہبود کے زیر اہتمام "نشیمن" "الخوارزمی" جوہر ٹاؤن لاہور کراچی میں "ماں عائشہ" راولپنڈی میں راحت گھر اور کوئٹہ میں ریڈ کراس کے زیر اہتمام ایک ادارہ شامل ہے ان کے علاوہ ایک شخصیت ایسی بھی ہے جسے اپنی ذات میں ادارہ کا نام دیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں ڈاکٹر خالد جمیل اختر، لوگ انہیں بگ برادر کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ بگ برادر کا یہ اعزاز انہیں گورنر پنجاب کی جانب سے ملا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب میو ہسپتال کے شعبہ ری ہیبلیٹیشن کے سربراہ بھی ہیں۔ معذوروں کے عالمی دن اور پاکستان میں ان افراد کے مسائل کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ پاکستان میں تقریباً 70 لاکھ افراد کسی نہ کسی معذوری کا شکار ہیں۔ ان افراد کو معاشرے میں جائز مقام دلانا ہم سب کی ذمہ داری ہے جہاں تک پرائیویٹ سیکٹر کا مسئلہ ہے تو میری تمام مخیر اور دل حضرات سے خصوصی اپیل ہے کہ معذوروں کو چندے یا خیرات کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو صرف اور صرف مناسب تعلیم اور پھر روزگار کی تلاش ہے۔ جب تک ہم ان افراد سے معاشرے کے عام فرد کی طرح پیش نہیں آئیں گے ہم اپنا فرض بہتر انداز میں ادا نہیں کر سکیں گے۔ سرکار کی طرف سے بحالی معذوراں مہم کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد نے بتایا کہ دنیا بھر میں پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم کا آغاز

3.12.01 Society & Social Prob.

چلانے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں ہمارا خصوصی ٹارگٹ خصوصی لوگوں کو تعلیم روزگار اور طبی سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ طبی سہولتوں کے متعلق ڈاکٹر خالد نے بتایا کہ جو لوگ جسمانی معذوری کا شکار ہوتے ہیں ہم انہیں مصنوعی اعضاء فراہم کرتے ہیں مثلاً پولیو سے متاثرہ افراد کی ٹانگیں ٹیڑھی ہو جاتی ہیں ان کا علاج کیا جاتا ہے اور سیدھا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں کسی حادثے کی نذر ہو جائے تو اس کا مصنوعی ہاتھ یا پاؤں لگا دیا جاتا ہے۔ مستحق افراد کو ہم یہ سہولتیں مفت فراہم کرتے ہیں۔ روزگار ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور معذوری کے ساتھ یہ مسئلہ دو چند ہو جاتا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ لوگوں میں یہ شعور پیدا ہو جائے کہ وہ معذوروں کو روزگار فراہم کریں مثال کے طور پر اگر کوئی معذور میز پر بیٹھ کر خوش اسلوبی سے دفتر کا کام کر سکتا ہے تو اسے وہ کام ضرور ملنا چاہئے۔ ہماری کوششوں سے اب معاشرے میں کسی حد تک تبدیلی آ رہی ہے۔ صحت مند ذہن کے لئے کھیل بہت ضروری ہے۔ ہم نے کئی بار کھیلوں کے مقابلوں کا انعقاد کیا ہے جن میں خصوصی افراد جوش و خروش سے حصہ لیتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہم نے پیرا اولمپکس ایسوسی ایشن بنائی ہے جس کے تحت چند روز قبل لاہور میں پہلا ٹورنامنٹ منعقد کر لیا گیا تھا۔

ڈاکٹر خالد جمیل صاحب کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ

جمیل دو معذور مریضوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں

پاکستان میں ہوا کیونکہ اگر ہم ترقی یافتہ ممالک کا جائزہ لیں تو یورپ اور امریکہ میں آج بھی معذوروں کے لئے ملازمتوں میں کوئی کوٹہ مقرر نہیں ہے البتہ وہ ان لوگوں کو کسی قسم کی پریشانی نہیں آنے دیتے وہ ان افراد کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں مثال کے طور پر اگر کسی کو مکان کی ضرورت ہے تو اسے مکان دے دیا جاتا ہے۔ اگر سواری کی ضرورت ہے تو اسے کار یا موٹر سائیکل فراہم کر دی جاتی ہے لیکن ایشیا پیسفک یعنی آسٹریلیا، جاپان، بھارت اور پاکستان وغیرہ میں کوٹہ سسٹم موجود ہے اور ان تمام ممالک میں پاکستان پہلا ملک تھا جس نے معذوروں کے لئے سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں ایک فیصد کوٹہ مقرر کیا تھا جواب بڑھا کر دو فیصد کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں معذوروں کے لئے خصوصی طور پر نشستیں رکھی گئی ہیں البتہ اس کا بعض لوگ ناجائز فائدہ اٹھا لیتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی انگلی کٹی ہوئی ہے تو وہ بھی خود کو معذور کلیم کر کے داخلہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح کی صورت حال پر ضرور کڑی نظر رکھنی چاہئے۔ اس کے علاوہ پاکستان بیت المال اور پنجاب بیت المال سے معذوروں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ڈیوٹی فری کار کے متعلق ڈاکٹر خالد جمیل کا کہنا تھا کہ یہ واقعی بہت مہنگی ہے۔ اسے ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا اور اس لئے ہم عرصہ دراز سے حکومت کو اپیل کر رہے ہیں کہ ملک میں گاڑیاں تیار کرنے والی کمپنیوں کو سب سڈی دیکر انہیں معذوروں کے لئے ٹرائی سائیکل اور ٹرائی موٹر سائیکل تیار کرنے کا پابند بنایا جائے لیکن شاید فنڈز کی کمی کی وجہ سے ابھی تک اس پر عملدر آمد ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ بہر حال تمام تر مشکلات کے باوجود ہم بحالی معذوراں مہم کو بہتر انداز سے

خصوصی افراد کو پیسے دینے کی بجائے تعلیم اور ملازمت فراہم کی جائے

تعلق ہے تو اسے جوش خروش سے منانے کی ابتداء 1981ء میں ہوئی۔ اس سلسلہ میں بہت سے سیمینار منعقد ہوئے۔ میرا بھی اس دن سے اسی برس سے تعلق ہے۔ اس برس ایک مثبت کام یہ ہوا کہ حکومت اور یونیسف کے تعاون سے ایک ورکشاپ ہوئی جس میں بحالی معذوراں کے پروگرام مرتب کئے گئے۔ ڈاکٹر صاحبہ کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر معذوری کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں جن میں جسمانی معذوری، ذہنی معذوری، نابینا پن اور بہرہ پن شامل ہے لیکن میرے نزدیک معاش ناہمواری اور جذباتی سطح پر توڑ پھوڑ بھی ایک طرح کی معذوری ہے کیونکہ ان کی وجہ سے بھی انسان معاشرے میں بھرپور کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ پاکستان میں بحالی معذوراں مہم کے حوالے سے پروفیسر خالدہ ترین نے بتایا کہ ہمارے ہاں ادارے باتیں زیادہ اور کام کم کرتے ہیں۔ فنڈز تو بے تحاشا ملتے ہیں لیکن انہیں معذوروں پر مکمل طور پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک دن کسی کے نام منسوب کر کے ذمہ داری سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ آپ ایک دن تقریبات منعقد کر لیں اور ان لوگوں پر ترس کھا لیں معذوراں کا دن نہیں مناتے بلکہ اپنی ناکامی کا ماتم کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ وہ ناکامی جو معذور افراد کو معاشرے کا حصہ بنانے میں ہوئی۔

پروفیسر خالدہ ترین کے کہا کہ میں دس پندرہ برس سے اس بات کو منوانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ ملک بھر

ڈاکٹر خالدہ ترین

کے تمام سکولوں میں خواہ وہ دیہات میں ہوں یا شہروں میں ایک کلاس اور ایک ٹیچر صرف اور صرف معذوروں کے لئے ہونی چاہئے۔ اسے ہم Integreted Education کا نام دیتے ہیں اس طرح کی تعلیم سے ہم ان لوگوں کو معاشرے میں باوقار حیثیت دے سکتے ہیں اور اس کا تجربہ میں اپنے ادارے سپیشل ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ سنٹر میں کر رہی ہوں۔ اس ادارے میں ذہنی معذور، ملٹی پل ہینڈ کیپ اور سماعت کے جزوی طور پر متاثرہ افراد شامل ہیں۔ اس وقت 118 معذور اور 108 نارمل بچے اس ادارہ میں زیر تعلیم ہیں جس میں انہیں لکڑی، سلائی کڑھائی اور کھڈی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحبہ کا کہنا ہے کہ ہمیں سال کے 365 دن ان لوگوں کے ساتھ مل جل کر منانے چاہئیں۔

خصوصی افراد کا وطن عزیز میں کوئی پرسان حال نہیں

"روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں" لیکن بہار کے یہ جھونکے ابھی بڑے شہروں تک محدود ہیں۔ ہمارے ملک کے دیہات ابھی اس سے محروم ہیں جہاں کی بڑی آبادی آج بھی ذہنی و نفسیاتی امراض کا علاج جعلی پیروں، فقیروں اور عاملوں کے پاس کرانے جاتی ہے جو یا تو جن نکالنے کے لئے دماغ میں سوراخ کر کے سارا خون نچوڑ لیتے ہیں یا مرچوں کی دھونی دیکر اچھے بھلے انسان کی مت مار دیتے ہیں۔ آئے روز اس طرح کے واقعات میں مرنے یا زخمی ہونے کی خبریں آتی رہتی ہیں۔

عالمی یوم معذوراں کے حوالے سے جب ہم نے معروف سائیکاٹرسٹ پروفیسر ڈاکٹر خالدہ ترین سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس طرح کے دنوں کی ابتداء اقوام متحدہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔ میں اقوام متحدہ کو متحدہ منافقانہ ادارہ سمجھتی ہوں کیونکہ یہ لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ جہاں تک اس دن کے پاکستان میں منائے جانے کا لیکن بعد 364 دن ان کی خبر تک نہ لیں یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اب آپ خود دیکھیں کے کونسے حکومتی یا نجی ادارے کی عمارت ہے جو چاروں طرح کی معذوریوں کو مد نظر رکھ کر بنائی جاتی ہے کسی عمارت میں آپ وہیل چیئر لیکر نہیں جا سکتے۔ نابینا افراد کی مدد کے لئے بھی کوئی سہولت موجود نہیں ہے۔ ذہنی معذوروں کے اداروں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے ابھی تک کوئی ایک رہائش گاہ تک نہیں بنائی جا سکی۔ ایسے ذہنی معذور جو لاوارث ہیں ان کا کیا جائے۔ جب اس حوالے سے بات کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہے کہ ہمارے ملک میں تو نارمل بچوں کو مکمل سہولتیں نہیں ملتیں۔ ابنارمل کو کہاں سے دیں تو میں یہ کہتی ہوں کہ آپ کوئی ایسا قانون بنا دیں کہ آئندہ دس برسوں تک آپ کے وطن میں کوئی نیا بچہ پیدا نہ ہو۔ جب معاشرہ ان بچوں کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا تو انہیں پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہم بحالی